یقیناً پرنس چارلس کا ملنا جلنا دوسری قسم کے مسلمان رہنماؤں سے ہو گا لیکن یہ کون ہیں۔ کیا ان میں شیخ عمر باقری محمد بھی ہیں جو "حماس" کے حامی ہیں' جو اسلامی ریاست کے لیے احتجاج کرتے ہیں اور جنھوں نے حال ہی میں ہم جنس پرستوں سے کہا ہے کہ بگ بین سے کود کر ہلاک ہو جائیں! یا سعودی عرب کے مخالف ڈاکٹر المسیری جو ہمارے ملک کی دی ہوئی آزادی سے فائدہ اٹھا کر یہودیوں کو نیست و نابود کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ پرنس چارلس اسلام کو اپنی کھلی حمایت دے کر' دراصل کیا چاہتے ہیں؟ کیا انھیں خود بھی معلوم ہے؟ ان کی رعایا کی حیثیت سے ہمیں امید رکھنا چاہیے کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔

یہ ایک نقطہ نظر کا اظہار ہے۔ یہاں اس لیے پیش کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اسلام کی ذرا سی بھی حمایت میں بولنے والے کے کیسے لتے لیے جاتے ہیں اور معتدل عناصر' جو پل تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ کتنا مشکل کام ہے۔

(۲)

پرنس چارلس

ترجمہ: امجد عباسی

خواتین و حضرات! مجھے خوشی ہے کہ آپ آج یہاں ولٹن پارک کی پچاس سالہ تقریب کے موقع پر آئے ہیں۔ یہ پارک عالمی مسائل پر غور و فکر کے حوالے سے ایک اہم ادارہ بن چکا ہے اور اسے دنیا بھر میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا مرکز ہے جہاں مسائل پر نئے انداز سے غور و فکر کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ لوگ "ولٹن پارک" اس لیے آنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کے اہم ترین مسائل کا تجزیہ کریں اور ان کا کوئی حل پیش کریں۔

میں نے کافی دیر سوچا کہ روحانیت (sacred) کے احساس اور اسلامی اور مغربی دنیا میں باہمی تفہیم سے اس کے تعلق کو موضوع گفتگو بنایا جائے۔ میں جانتا تھا کہ کچھ لوگوں کے نزدیک' خالص عملی مسائل کے حل کے لیے' یہ کوئی روایتی یا آسان راستہ نہ تھا۔ مگر اس بات سے میری حوصلہ افزائی ہوئی کہ ماضی میں جب کبھی بھی' میں نے ہمت کر کے اس موضوع پر اظہار خیال کیا' حتیٰ کہ انٹرنیشنل فائنانسرز اور پراپرٹی ڈو یلپرز جیسے خشک لوگوں کے درمیان بھی' تو جیسے اس نے دلوں کے تار چھیڑے اور اسے بہت توجہ دی گئی۔ مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کے اندر روحانیت کے اس احساس کی بازگشت موجود ہے لیکن ہم میں سے اکثر لوگ برا بھلا سننے اور تمسخر اڑائے جانے کے خوف سے اس کا وجود تسلیم کرنے سے ڈرتے ہیں۔ یہ ہنسی اڑنے کا' حتیٰ کہ "اللہ" کا نام لینے کا بھی' خوف' واضح علامت ہے کہ نام نہاد مغربی تہذیب اپنے معنی کھو

چکی ہے۔

میں اپنی بات کی ابتدا اس یقین کے ساتھ کر رہا ہوں کہ اسلامی تہذیب اپنی بہترین حالت میں، مشرق کے دیگر مذاہب، یہودیت، ہندومت، جین مت اور بدھ مت کی طرح، اہل مغرب کے لیے اس حوالے سے نہایت اہم پیغام رکھتی ہے کہ اس کے پاس ہماری اردگرد کی دنیا کی تقدیس کا مربوط اور یکجا تصور ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مغرب میں ہم، اسلام کی نظام فطرت کے احترام کی روایت کی قدر کر کے، اپنی فکر کی یہ بنیادیں از سرنو دریافت کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عمل دونوں مذاہب کو قریب کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ اس طرح بھی مددگار ہو سکتا ہے کہ اہل مغرب، حفظان صحت، ماحولیات، زراعت، فنون لطیفہ اور شہری منصوبہ بندی کے میدانوں میں اپنی عملی رہنمائی میں بہتری کے لیے از سرنو غور و فکر کریں۔ میں نہایت اختصار سے وضاحت کرنا چاہوں گا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

میری عاجزانہ رائے میں، جدید مادیت، غیر متوازن ہے اور طویل المدت نتائج کے اعتبار سے اس کے نقصانات میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب، دنیا کی روحانی اہمیت کا مربوط تصور رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، عیسائیت میں "تجسیم یسوع" کا باطنی اور علامتی عقیدہ، روح اور مادہ کی دنیاؤں کی وحدت کا اور اس دنیا میں انسانیت کے لیے الوہیت کے اظہار کا پیغام ہے۔

مگر گذشتہ تین صدیوں کے دوران، کم از کم مغرب میں، ہمارے تصور دنیا میں، ایک خطرناک تقسیم در آئی ہے۔ سائنس نے ہماری عقل و فکر پر اجارہ داری بلکہ جابرانہ تسلط حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذہب اور سائنس علیحدہ ہو چکے ہیں۔ جس کے نتیجے میں، جیسا کہ ولیم ورڈز ورتھ نے کہا: "ہم فطرت میں بہت کم کوئی ایسی چیز دیکھتے ہیں جو ہماری ہے"۔ سائنس نے کوشش کی ہے کہ وہ خدا سے نظام فطرت چھین لے۔ اس نے کائنات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور ہماری روحانیت کو ہماری فکر کے ایک علیحدہ اور ثانوی خانے میں ڈال دیا ہے جس کا روز مرہ کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

ابھی ہم نے اس نقطہ نظر کے تباہ کن اثرات کا اندازہ کرنا شروع ہی کیا ہے۔ عالم مغرب میں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جیسے ہم، اپنے ماحول کے ایک "کل" ہونے کے احساس اور نوع انسانی کے لیے اپنی بھاری اور مستقل ذمہ داری کے تصور سے عاری ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم آباد اجداد کی صدیوں کی روایت اور دانش کی قدر کرنے یا اسے سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ یقیناً ان روایات و اقدار کے ساتھ ایک ناروا امتیاز برتا گیا جیسے کہ وہ کوئی ناقابل قبول معاشرتی مرض ہو۔

میری رائے میں، اب ہماری معاصر دنیا میں ایک "کلی سوچ" اپنانے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ سائنس نے ہمیں ایک ایسی دنیا دکھا کر، جو ہمارے ممکنہ تصورات سے بھی بہت زیادہ ہے، غیر معمولی خدمت انجام دی

ہے۔ لیکن یہ اپنی جدید مادہ پرست اور یک رخی شکل میں تمام مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتی۔ خدا محض نیوٹن کا پیش کردہ حساب دان یا میکانکی گھڑی ساز نہیں ہے۔ فرانسس بیکن کا کہنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو قائل کرنے کے لیے معجزہ نہیں دکھائے گا جو گھاس کی ایک پتی کے اگنے اور برستی بارش کے معجزے کو نہیں دیکھ سکتے۔ جوں جوں سائنس اور ٹیکنالوجی، اخلاقی اور روحانی اقدار سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اس دوری کے مضمرات زیادہ گھمبیر اور خوفناک ہوتے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم مثال کے طور پر، جینیاتی کاریگری میں یا بی۔ایس۔ای کے اسکینڈل میں سائنسی ادعا کے اظہار میں دیکھ رہے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ہماری علیحدہ اور غیر مطمئن دنیا میں ان مادیت پسند مزعومات کے خطرے کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رجحان غالباً تبدیل ہونے والا ہے لیکن روایتی "مقدس گائے" کے بڑے بڑے ریوڑ ابھی تک اس راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ کچھ سائنس دانوں کو بتدریج کائنات کی پرجلال اور پراسرار پیچیدگیوں کا احساس ہونے لگا ہے۔ لیکن اب بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ دنیا کے عظیم مذاہب نے جسے ہماری داخلی اور بیرونی دنیا اور ہماری جسمانی اور روحانی فطرت کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے، ان کے درمیان از سرنو رابطے کو تلاش کیا جائے۔ یہ پل، یہ رابطہ، ہماری انسانیت کا اظہار ہے۔ یہ اس کردار کو روایتی علم و فن کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے، جس نے انسانیت کو تہذیب سکھائی ہے اور جس کے بغیر تہذیب و تمدن کو زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ صدیوں کے تغافل اور خشک مزاجی (cynicism) کے بعد، مذہبی اقدار کی مابعد الطبیعیاتی حکمت دوبارہ دریافت کی جا رہی ہے۔ اس میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام اور افلاطون کا علم مابعد الطبیعیات جو مغرب کے فلسفے اور روحانی تصورات کے لیے نہایت اہم ہے، سب ہی شامل ہیں۔

میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ ہماری زندگی میں پائی جانے والی کوئی بھی روایت محض ایک انسانی اختراع نہیں ہے بلکہ خدا کا عطا کردہ ایک ایسا موزوں اور فطری ہم آہنگ بنیادی وجدان ہے جو ان اختلافات سے وجود میں آتا ہے، جس کا مشاہدہ فطرت کے ہر پہلو میں کیا جا سکتا ہے۔ "روایت" نظام کائنات کے دائمی نظم کی عکاس ہے اور ہمیں کائنات کے عظیم رازوں سے آگاہ کر کے، ان سے وابستہ کر دیتی ہے جیسا کہ بلیک نے اس طرف اشارہ کیا ہے: "ہم ایک ایٹم میں پوری کائنات دیکھ سکتے ہیں اور ایک ہی لمحے میں دوامیت بھی"۔ اسی وجہ سے مجھے یقین ہے کہ انسان محض ایک حیاتیاتی مظہر نہیں ہے جو زندگی کے میزانیے کی نچلی سطح پر رہ رہا ہے جس کے مطابق آرٹ اور کلچر زندگی کے اختیاری عناصر نظر آتے ہیں۔

یہ ایک مسلمان ہنرمند یا آرٹسٹ کے نقطہ نظر سے بڑی حد تک متضاد ہے جو اپنی خاطر کسی نمائش میں دلچسپی نہیں رکھتا، نہ اپنی ذات کے لیے آگے بڑھنا چاہتا ہے، بلکہ اپنے شاہکار اللہ کے حضور پیش کر کے

مطمئن رہتا ہے۔ یہ رویہ، میرے خیال میں قرآن کی اس عظیم آیت کی عکاسی کرتا ہے جس کے مطابق: "جس طرف بھی تم رخ کرو گے، اسی طرف للہ کا رخ ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے"۔ (البقرہ ۲:۱۱۵)

یہ اصل معصومیت تباہ ہو چکی ہے اور ہر جگہ سے ختم ہو چکی ہے لیکن میں بہرصورت یقین رکھتا ہوں کہ ان تہذیبی اقدار کی بقا کا انحصار جنھیں ہم نے اپنے آباواجداد سے ورثے میں حاصل کیا ہے، ہمارے دلوں میں روحانیت کے گہرے احساس کے زندہ رہنے پر ہی ہے۔

روایتی مذاہب، اپنے کلی تصور کائنات کے ساتھ، دین اور دنیا کے درمیان وحدت کی اہمیت کو از سرنو تلاش کرنے میں ہماری بڑی مدد کر سکتے ہیں جیسا کہ میں نے آکسفورڈ میں ۱۹۹۳ کی اپنی تقریر "اسلام اور مغرب" میں کہا تھا۔ ہمارے وجود کے اس لازمی پہلو کو نظرانداز کرنا محض روحانی یا علمی حوالے سے ہی خطرے سے خالی نہیں ہے بلکہ یہ زندگی میں مادیت پرستی کے مقام پر اسلام اور مغرب کے مختلف موقف کی اصل اساس بھی ہے۔ اسلام، مغرب کی مادہ پرستی کو مسترد کر دیتا ہے، میری رائے میں، یہ کوئی سیاسی دکھاوا، کسی حسد کا نتیجہ یا کسی احساس کمتری کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ بات بالکل برعکس ہے۔ یہ خدشہ حقیقی نظر آتا ہے کہ اسلام اور دیگر مشرقی مذاہب اور مغرب کے درمیان خلیج اس حد تک بڑھ جائے کہ اسے پاٹا نہ جا سکے، اگر ہم دونوں تہذیبیں مل کر، دینی اور دنیوی کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے عملی اقدامات نہیں اٹھاتے تاکہ آیندہ صدی کے لیے ایک نیا جذبہ بیدار ہو سکے۔

روحانیت کے اس کُلّی تصور کی از سرنو دریافت، عملی سرگرمی کے بہت سے اہم میدانوں میں ہماری معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ میدان طب میں، کچھ سائنس دانوں کی جو بھی رائے ہو، مذہب اور سائنس اور مادی دنیا اور روحانی احساس کے درمیان تعلق کا ٹوٹ جانا، صحت عامہ کے حوالے سے، یک رخ رویے اور شفا کے عمل کے اسرار اور اس کی کلیت کو سمجھنے میں ناکامی کی طرف لے گیا ہے۔ ایسے ہسپتال قائم کیے جانے چاہییں اور انھیں اس طرح ڈیزائن کرنا چاہیے کہ وہ بحالی صحت کے "جامع عمل" کے عکاس ہوں، اگر انھیں بحالی صحت میں زیادہ مکمل کردار ادا کرنا ہے تو---! جدید میڈیسن کا بیماری کے حوالے سے عموماً یک رخا رویہ ہے، اگرچہ اس کی کچھ کامیابیاں کسی معجزے سے کم نہیں ہیں، حالانکہ جو علم حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے ایک نہایت معمولی حصے سے زیادہ تک نہیں پہنچا جا سکا ہے۔ اب روایتی طریقوں کی طرف رجوع سے، مزید آگے بڑھا جا سکتا ہے اور جدید میڈیسن کو مالا مال کیا جا سکتا ہے۔ مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ جدید اور قدیم کے امتزاج کو اختیار کرنے والے روشنی کے کچھ مینار وجود میں آئے ہیں مثلاً "میری لی بون ہیلتھ سنٹر لندن" اور "برسٹل کینسر ہیلپ سنٹر"۔

ہمارا ماحول، ہماری معاشی ترقی کی یک طرفہ سوچ کی وجہ سے ہمارے ڈراؤنے خوابوں سے زیادہ تباہی کا شکار ہے۔ یہ ترقی، ماضی قریب تک، انسانوں کے باہمی رابطے کو وزن نہ دیتی تھی۔ جس توازن کو برقرار رکھ کر قدرت کا پورا نظام چل رہا ہے، اور اس کی جو حدود قائم کی گئی ہیں اور برقرار رکھی جاتی ہیں، ان کی ضرورت اور اہمیت سمجھنے کی بھی بہت کم فکر کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماحول کا تحفظ نسبتاً حالیہ موضوع ہے۔ اگر ہم اپنی زمینوں کی زرخیزی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہماری آیندہ نسلوں کی غذائی ضروریات فراہم ہو سکیں تو نامیاتی اور برقرار رہنے والی کاشت کاری ناگزیر ہے۔

تیسرا میدان جسے روحانیت اور مادیت کا فرق متاثر کر رہا ہے، فن تعمیر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عمارات ان اصولوں کی روشنی میں تعمیر کی جائیں، جو کائنات سے ہم آہنگی کے عکاس ہوں اور جن میں لوگوں کو سہولت ہو اور ان میں لوگ رہنا بھی چاہیں۔ اسی بنا پر، پانچ سال قبل میں نے اپنے ذاتی ایک چھوٹے سے انسٹی ٹیوٹ آف آرکی ٹیکچر کا آغاز کیا تھا۔ ٹائٹس بخاردت (Titus Buckhardt) نے لکھا ہے: "یہ فن کی فطرت ہے کہ روح کو خوشی دے، لیکن ہر فن کا روحانی پہلو نہیں ہوتا"۔ یہ روحانی پہلو ہم روایتی عیسائی فن تعمیر میں دیکھتے ہیں۔ یہی پہلو ہم عرب کے اسلامی آرٹ اور فن تعمیر میں بھی پاتے ہیں جو آخری تجزیے میں "الوہی وحدت" کا مظہر ہیں جو دراصل قرآن کا بنیادی پیغام ہے۔ پیغمبر محمدؐ نے خود ایک موقع پر کہا ہے:

"اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے"۔

شہری منصوبہ بندی کی طرف بھی نگاہ دوڑانے کی ضرورت ہے۔ مشہور مورخ، ابن خلدون، شہری زندگی اور روحانی سکون کے درمیان گہرے تعلق کو تہذیب و تمدن کی لازمی بنیاد سمجھتا تھا۔ کیا ہم کبھی اپنے شہروں میں اس ہم آہنگی کی طرف پلٹ سکیں گے؟ ابن خلدون لکھتا ہے کہ تہذیبوں کے زوال کے ساتھ، فنون کو بھی زوال آتا ہے۔

اس ساری گفتگو کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ روحانی اقدار کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی جائے۔ یہ جدوجہد، ہماری زندگی کی روحانی قدروں کی اساس کو بحال کرنے اور جدید دنیا نے جس چیز کو ٹکڑے کر دیا ہے، اسے جوڑنے کے لیے ہونی چاہیے۔ اسلامی ثقافت اپنی روایتی شکل میں، روحانی تصور دنیا کو اپنے اندر اس طرح سموئے ہوئے ہے جس طرح ہم نے مغرب کی حالیہ نسلوں میں کرنا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ اس حوالے سے ہم اسلام کے "تصور جہاں" سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے مذاہب کے درمیان جو مشترک اور دائمی قدریں پائی جاتی ہیں، انھیں سمجھنے میں بھی یہ "تصور جہاں" مد ثابت ہو سکتا ہے۔ ہمارے اسلامی اور مغربی، دونوں جدید معاشرے، اس مشترکہ جدوجہد سے اپنے مذاہب میں زندگی کے متعلق پائے جانے والے ان مشترکہ روایتی تصورات اور ان عظیم ذمہ داریوں سے آگاہ ہو سکتے ہیں جو ہمیں دنیا کے تحفظ اور قیادت کے

لیے ادا کرنا ہیں۔

۱۹۹۳ میں آکسفورڈ میں اپنی تقریر کے دوران میں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ عالم اسلام اور مغرب کے درمیان باہمی افہام و تفہیم کے لیے زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔ اس عمل کی اہمیت کے بارے میں میرا پختہ یقین آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ غفلت اور تعصب برتنے کی وجہ سے دونوں تہذیبوں کو جو نقصان ہو گا وہ ناقابل تلافی ہو گا۔ بہت سے ایسے طریقے ہیں جنھیں اپنا کر باہمی تفہیم اور قدر افزائی کی فضا کو ہموار کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم روحانیت کی بالکل آسان تعبیر سے بھی شروع کریں، جو ہماری دنیا کے ہر پہلو میں رچی بسی ہے، تو اسلامی تہذیب اور مغرب کے درمیان نئے رابطے قائم ہونے کے بڑے امکانات ہیں۔ مثال کے طور پر شاید ہم برطانوی سکولوں میں زیادہ مسلمان اساتذہ کی خدمات سے استفادہ کر کے یا اساتذہ کے باہمی تبادلے سے، اس کام کا آغاز کر سکتے ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں لوگ انگریزی سیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن مغرب میں، اس کے بجائے ہمیں ضرورت ہے کہ مسلم اساتذہ ہمیں بتائیں کہ دماغ کے ساتھ ساتھ دل سے کیا سیکھا جاتا ہے۔ آنے والی صدی، اس رابطے کو تلاش کرنے اور آگے بڑھانے کے لیے مثالی عمل انگیز ثابت ہو سکتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہم اس موقع کو ضائع نہ کریں گے جو ہمیں ہمارے کل وجود کی روحانی اساس از سرنو دریافت کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں اس بات کا قائل ہوں کہ ہم اپنی دنیا میں ان بدیہی حقائق کو زیادہ مدت تک پس پشت ڈال کر کسی مہذب وجود کو اس کی بہترین شکل میں برقرار نہ رکھ سکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ روحانیت کا احساس ہی ان دو مذاہب بلکہ تمام مذاہب کے درمیان، افہام و تفہیم کی نئی بنیادیں فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ یہی ہمارے بچوں اور آیندہ نسلوں کے مفاد میں ہے۔

امریکہ و کینیڈا میں ماہ نامہ ترجمان القرآن و روزنامہ جسارت اور دیگر تحریکی رسائل حاصل کرنے کیلئے درج ذیل پتہ پر رابطہ قائم کیجیے۔

Islamic Education & Media

730 E 10St GF Brooklyn NY 11230 (718) 421 - 5428